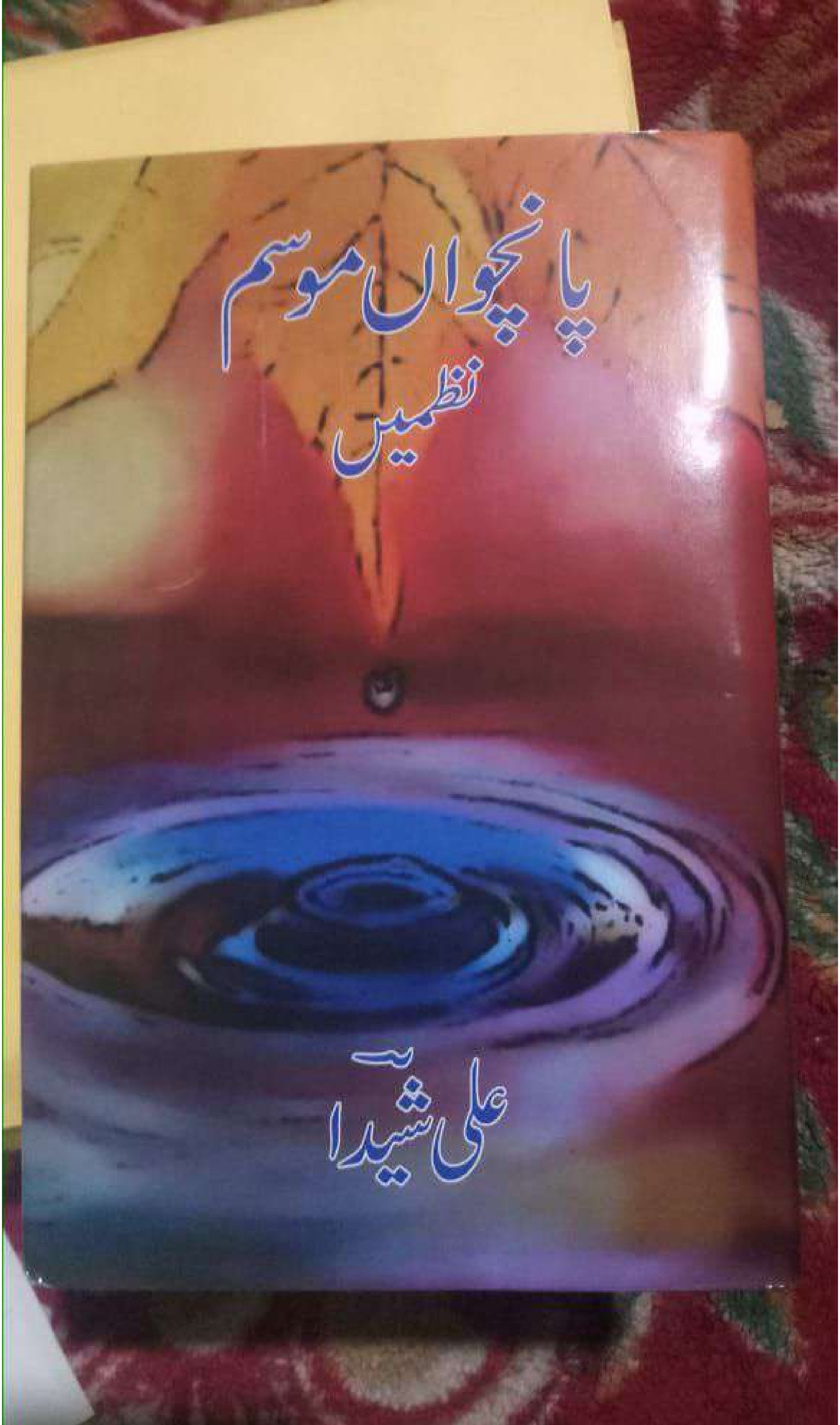
پانچواں موسم
نظمیں
سے
علی شیدا

پانچواں موسم

علی شیدؔا

©جملہ حقوق بحقِ شاعر محفوظ ہیں

کتاب	:	پانچواں موسم
شاعر	:	علی شیدؔا
صنف	:	شاعری
سال اشاعت	:	2024
کمپوزنگ	:	اظہارؔ مبشر (7006886766)
تعداد	:	500
قیمت	:	400 روپئے
رابطہ:	:	7889677765

کتاب ملنے کا پتہ:

۱) (نجدِ وَن) نپورہ قاضی گنڈ انت ناک کشمیر

۲) مرازادبی سنگم بجبہاڑہ

PAANCHVAAN MOUSAM

By Ali Shaida

Triple Zed Pubications

ISBN 978-93-94372-38-2

© Ali Shaida

Contact:9906663269 / 9622914869

Disclaimer

Mere Printing or publishing does not mean endorsement or agreement of Publishing house with the content presented in this publication. Content belongs to the copyright holders and he / she is himself / herself responsible for the same.

Manager
Triple Zed Publications

انتساب

اے میری آرزو
تیرے ململی دوپٹے کے نام
کرتا ہوں
اپنی نیم عریاں نظمیں........

فہرست

نمبرشمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	انتساب	3
2	لے کر آیا ہوں پانچواں موسم (علی شیدا)	7
3	پانچواں موسم (پروفیسر محمّد زمان آزردہ)	10
4	گمشدہ پڑاو	16
5	دھند	19
6	کاسنی کے پھول	21
7	نئے خواب کا موسم	24
8	دسمبر کے آنگن میں	26
9	موسموں کے بدلتے تہوار	28
10	زرد آنگن کی دھوپ	30
11	اگلے موسم کی دھوپ تک	32
12	گملوں میں اگائی نظمیں	34
13	مرے دائرے کا صفر	36
14	ابدیت کا گیت	38
15	حبسِ تنہائی	41
16	ربوٹ Reboot	43
17	اے مری شہزادی	46
18	ورثہ	49

19	نامکمل نظم	50
20	خواب کا آخری سرا	51
21	فریم سے نکلا آدمی	54
22	محبت کائنات کی نظم ہے۔۔	56
23	کائنات، نظم اور تنہائی	58
24	دھول۔۔۔	60
25	اندھیروں کی آخری شکست	62
26	ابر کا گھروندہ	64
27	لاتعلقی	67
28	ہجرت کا پانچواں موسم	69
29	پت جھڑ کی دستک۔۔۔!	74
30	صاحب آباد کا چنار	77
31	شکن زاد تخلیق	79
32	زکوٰۃ حسن ہی مانگوں۔۔	82
33	زرد موسم کی بارش۔۔۔	85
34	ابدیت کی چھاؤں	87
35	خواب کی اوٹ سے	89
36	رشتے	91
37	نظم کائنات کا دکھ ہے	92
38	سن چنچل لڑکی	94
39	دُکھ کائنات کی ڈور ہے	96
40	نظم کائنات کی سانس ہے	98
41	گمان آباد کی برف	100
42	عریانی میں چھپی نظم	102
43	دعاؤں کی نظم	104

44	وقت خاموش مسافر	106
45	میں نے پرندے کو دیکھا	108
46	آدھے موسم کی بارش	110
47	دکھ کے دائرے	112
48	دشتِ امکان کے موسم	114
49	پنگھٹ پہ سوئی نظم	117
50	بس اسٹاپ پہ ٹھہری نظم	119
51	باتوں میں گم صم کائنات	121
52	خوابوں کا موسم	123
53	گیت	126
54	عیدی	128
55	انتظار کے پیڑ کے نیچے	129
56	موسم کی رہائی	131
57	زرد پتوں پہ بکھری نظم	133
58	تم ندی ہو	135
59	چلو۔۔۔	137
60	شاہراہ پر ٹھہری ہجرت	139
61	صدیوں کی صلیب میں	141
62	غار سے پھوٹی روشنی	143

لے کر آیا ہوں پانچواں موسم

میں اپنی ہر سانس سے کھینچ لیتا ہوں
نیم گرم دھاگے
بُنتا رہتا ہوں نیم عریاں نظمیں
صلیب کی کھڑکی میں
دھوپ میں چاندنی میں بارش میں
گیت گاتی ہوا کی جنبشوں میں
بادِ صرصر میں
خوابوں کی سیڑھی پہ
ندی کے کنارے
ریگزاروں میں سبزہ زاروں میں
چنار کی چھاؤں میں

بہار کی آمد پہ
پھوٹتی کونپلوں پہ
گرما کی لو میں
برسات کی بھیگی بوندوں سے
پتجھڑ کے سوکھے گرتے پتوں پہ
برف کی چادر پہ بیٹھ کے
دھند کے لباس میں
آندھیوں کے شور میں
سکوت کے غار میں
وصل کے فریب میں
ہجر کے زندان میں
قوس قزح کو نچوڑ کے
آنسوؤں سے پلکیں بھگو کر
زخموں سے نمی چاٹ کے
درد کی لے پہ
غم کے کہرے پہ
یاس کی تلخی سے

آس کے دامن پہ
میں اپنی ہر سانس سے کھینچ لیتا ہوں
نیم عریاں نظمیں
کچھ آنگن میں ٹہلتی نظمیں
کچھ صلیب سے اتری نظمیں
آپ سب کے لئے
پانچواں موسم
لے کر آیا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!

علی شیداؔ
۲۸ نومبر ۲۰۲۴
(نجدہ ون کشمیر)

پانچواں موسم ۔۔علی شیدؔا

علی شیدؔا دیکھتے دکھاتے کہنہ مشق ہو گئے ہیں۔ان کی مشقت اور شعری سفر کی مسافت کا اندازہ ان کے مجموعے 'پانچواں موسم' سے ہوتا ہے جس میں شامل نثری نظموں کو وہ نیم عریاں نظمیں کہتا ہے۔کائنات میں کوئی شے بے لباس نہیں اور اسکے باوجود ہر شے عریاں بھی ہے۔یہ الگ بات ہے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ یکساں نہیں ہوتی۔ بیشتر لوگ کھلی آنکھوں سے وہ سب دیکھ نہیں پاتے جو بعض اشخاص یعنی چنندہ صاحبان نظر بند آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک جملہ مجھے اکثر یاد آتا ہے۔لکھتے ہیں: 'لوگ کیچڑ کو دیکھ کے بارش کا یقین کرتے ہیں اور میں اسے ہوا میں سونگھ لیتا ہوں۔' ایک شخص چہرے پہ تھپڑ کی چوٹ محسوس نہیں کرتا اور دوسرا محض ایک ترچھی نظر سے غیض میں آتا ہے اور ایسے بھی ہیں جو محض سانس کی حرارت سے پگھل کے رہ جاتے ہیں۔علی شیدؔا کی نظر حکیمانہ ہے، احساس شاعرانہ ہے اور گفتگو بے باکانہ۔علی شیدؔا مفہوم کو الفاظ کا بہت ہی باریک لباس پہناتے ہیں۔ڈھانپے رہنے کے باوجود وہ لباس کے اندر سے اسطرح جھانکنے لگتا ہے کہ غالبؔ کی زبان میں یوں سامنے آتا ہے ؎

ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

علی شیدؔا کی یہ نیم عریاں نظمیں 'عریانی' کی نہیں بلکہ لباس کی مختلف صورتیں

ہیں اور چشمِ بینا کی بن بن کیفیتیں۔ان نظموں میں جن تراکیب،تصورات اور علائم کی بھول بھلیوں سے واسطہ پڑتا ہے ان میں بعض یہ ہیں: گرے ہوئے پردے، اُتری ہوئی چادریں، موسم کے کھلیان، ٹوٹے ہوئے کھلونے، تھرکتے پیر، نظموں کے شگاف، لڑکھڑاتے راستے، لفظوں کے شگوفے، سبز پتوں کے اوراق، گردوغبار کے لباس، ہجر کی قینچی، وصل کی دھوپ، تخیل کی زمین، شب کی آغوش، گرم بستر، سلوٹوں کی سرگوشیاں، ہجر کے آبلے، کاسنی کے پھول، خدا کا حجرہ، عطر کے پودے، خوشبوزادہ، چمگادڑوں کی لیزر کرنیں، سیاہ دھند، دستِ گماں، وصل کا بھنور، آرزؤں کی تتلیاں، کچی ڈگر، خوشبؤں کی معصومیت، تکان کے پہاڑ، سرخ پنجے، منجمد پیاس، اندھیروں کی آخری بساط، تلملاتے دیے، خاموشی کی سرگوشیاں وغیرہ۔

یہ مفاہیم بھی ہیں، تراکیب بھی ہیں اور تصویریں بھی۔علی شیداؔ کی ان نظموں،ان نظموں کے موضوعات،موضوعات کی تعبیریں اور تاویلیں ایک ایسی دنیا کو متشکل کردیتی ہیں جو کبھی ظلمت میں نور، اندھیروں میں اجالے، روشنیوں میں تاریکی، غم میں خوشی اور خوشی میں غم کی صورتوں کو ابھارتی ہیں۔میرؔ کا یہ شعر ان پر صادق آتا ہے۔

سرسری تم جہان سے گزرے
ورنہ ہر جا جہانِ دیگر ہے

علی شیداؔ کی یہ نظمیں جنہیں وہ نیم عریاں نظمیں کہتے ہیں اپنے سینے میں سربستہ راز لئے ہوئے ہیں جن کی تہہ تک پہنچنا ہر ایک کیلئے ممکن نہیں۔ان

سربستہ رازوں کے بھی اتنے پہلو ہیں کہ ہر پہلو تک بیک آن رسائی ممکن نہیں۔ان نظموں میں ایسے اشارے ملتے ہیں جنہیں ہشت پہلو کہنا چاہیئے۔ قاری کی حیثیت بیش اوقات بینائی سے محروم ان اشخاص سے مشابہہ معلوم ہوگی جنہوں نے ہاتھی کو چھو کے اس کے جسم کی توجیہہ کی تھی۔ایک خاص بات یہاں کہنا نامناسب نہ ہوگی کہ ان نظموں میں استعمال شدہ ہر ترکیب اور تمثیل استعارہ کی صورت اختیار کرکے ایک الگ جہانِ معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

میرے لئے یہ مناسب نہیں ہوگا کہ میں تفصیل سے اپنے تاثرات رقم کروں۔بہتر یہی ہوگا کہ بعض نظموں کے چند اقتباسات پیش کرکے آپ سے رخصت لے لوں اور آپ خود اپنی بساط فکر کے اعتبار سے ان اقتباسات کے وسیلے سے علی شیدؔا کی فکر سے محظوظ ہوں۔

آرزوں کی تتلیاں اڑان بھرنے لگیں
وصل کے بھنورے ہوش کھو بیٹھے
میں خود سے بچھڑتا گیا
فنا کی وادیوں سے گزرتا ہوا نکلا
آدمیت کے دشت میں خاک اڑاتے ہوئے
ہجر کے موسم کی زردیاں سمیٹے
فرشتوں کے جزیرے پہ آکے ٹھہر گیا۔۔۔۔

گمشدہ پڑاو

شیلا کا سندور چھن گیا

دکھ اور درد کے خوف ناک جنگل میں
میں اور ماہی کسی عجیب موسم میں آ گرے
دائروں کے بیچ حادثہ آ پڑا
میرا اور ماہی کا موسم کئی حصوں میں بٹ گیا
شیلا وقت کی دھند میں کھو گئی
تپتی دوپہر کی دھوپ میں پگل گئی

کاسنی کے پھول

دعاؤں کے موسمی پرندے لوٹ رہے ہیں
نئے موسم کی نئی صبح میں سو جائیں گے
بجھی بجھی دھوپ میں جاگیں گے
تو ٹھٹھرتے موسم کے پنکھ
پر دھوپ سینکنے اتریں گے
میرے آنگن کی زرد مسہری پر۔۔۔

زرد آنگن کی دھوپ

تھکا دیتا ہے زندگی کو دن کا یہ شور
سرمئی شام حیا کی چادر اوڑھے
آ کر پاؤں دبانے لگتی ہے
نیم گرم لمس سے۔۔۔
کروٹیں بدلنے لگتی ہیں

یہ چور چور ہوئی سانسیں
تو آنکھوں پر آ کر بیٹھتی ہیں
سکون کی تتلیاں
چوس لیتی ہیں تکان آہستہ آہستہ

خواب کا آخری سرا

مرے کاسے میں اب تو بس
متاعِ ہجر ہے جاناں
بہت مفلس ہوں
سارا لٹ چکا ہوں
مسافر تیری بستی کا
بنا پھرتا رہوں جاناں
زکوٰۃ حسن ہی مانگوں
زکوٰۃ حسن ہی دیدو
جنوں کے اس جھلستے دائمی موسم کے
دو پل-----

زکوٰۃ حسن ہی مانگوں

تپتی ریت مٹھی میں دبائے
میں بیچ صحرا کے کھڑا ہوں
ریت کی تپش ہاتھوں کی لکیروں میں

دھیرے دھیرے سرایت کررہی ہے
فکر کی وادیوں میں عجیب موسم
آس پاس سوچوں نے خیمے گاڑ دئے ہیں
خاموشیوں کی ہلکی ہلکی سرگوشیاں خیموں سے جھانک رہی ہیں
میں خود کو بار بار ٹٹولنے لگا ہوں
وادی رضا سے اٹھی
صدائے بازگشت اور اور قریب آچکی ہے
کربلا کی دائمی معطر وسعتوں تک
شام مرے سوچ کے پربت پر دھند کی شفق کو سلگا رہی ہے
خیموں میں دیئے تلملانے لگے
معصوم بچے ہاتھوں کے دائرے لئے لو سمیٹنے لگے۔۔۔

اندھیروں کی آخری شکست

یہ اقتباسات محض ایک ''مشتے نمونہ ازخروارے'' کے مصداق ہیں مگر علی شیداؔ کے فن اور انکی فکر تک رسائی حاصل کرنے میں ضرور رہنمائی کریں گے۔ میری دعا ہے کہ علی شیداؔ کا یہ مجموعہ منظر عام پر آ کر اپنے جلوے بکھیرے۔آمین

محمد زمان آزردہؔ
سری نگر کشمیر
یکم نومبر ۲۰۲۴ء

گمشدہ پڑاؤ

دہلیز سے اترنے کی دیر تھی
پگڈنڈی نے دامن پکڑ لیا
عشق کی کچی ڈگر تک لے آئی
خوبصورت کچی ڈگر
دونوں اطراف کاسنی پھولوں کی رنگت
خوشبوؤں کی معصومیت
کچی ڈگر کے معدوم آخری سرے تک کا لایعنی احساس
پختہ سڑک تک کھینچتا لے آیا
دھوپ کی تمازت سے سنگ مرمر

سابدن پگھلنے لگا
آرزؤں کی تتلیاں اڑان بھرنے لگیں
وصل کے بھونرے ہوش کھو بیٹھے
میں خود سے بچھڑتا گیا
فنا کی وادیوں سے گزرتا ہوا نکلا
آدمیت کے دشت میں خاک اڑاتے ہوئے
ہجر کے موسم کی زردیاں سمیٹے
فرشتوں کے جزیرے پہ آکے ٹھہر گیا
ایک رومی چھایا سے مدھ بھرے گیت کے حروفِ ناز کی شبنمی بوندیں ٹپکی
خرقہء تبریزی سے دستِ گماں نکلا
اور میری بیت لے لی گئی
حیرتی کے وشال سمندر کے کنارے
لفظوں کے بے حس فلک بوس پہاڑ کے
عقب میں
جزبات کے گھنے جنگل کے بیچ
معطر چشمے سے تازہ نہائی پریوں کا کہکشاں آکے مجھے اٹھا لے گیا

کچی ڈگر کے کنارے چھوڑ آیا
میرا اگلا سفر۔۔۔
پچھلی کہانی کا سِرا پکڑ کے
گمشدہ پڑاؤ کی تلاش میں ہے
تم اپنے پرانے گھنے جنگل سے ابر کی
چادر اٹھا
بالوں پہ اتری چاندی نگاہوں کو دھندلا رہی ہے

دھند

کوئی مجھے رستہ دکھائے
خدا کے حجرے کا
شکایت درج کرنی ہے
اک سیاہ دھند کی
خیمہ زن ہے جو میرے آس پاس
یہ اندھیروں کے بنکر مجھے تک رہے ہیں
ان کے روزنوں سے پھوٹتی ہیں
چمگادڑوں کی لیزر کرنیں

مجھ میں پھولوں کی وادی ہے
میں خوشبوزادہ ہوں
اور خوشبولٹاتا ہوں
چاندنی راتوں میں اوس کے قطرے چُن چُن کر
ململی دھوپ سے گزارتا ہوں
بارش کی بوندوں میں گھول کے پیتا ہوں
نئے عطر کے پودے اگاتا ہوں
بارش کی بوندیں جو رم جھم کرتی تھیں
شہزادی کے گھنگھرو بجتے تھے
دونوں ٹوٹ گئے
کوئی مجھے رستہ دکھائے
خدا کے حُجرے کا
شکایت درج کرنی ہے
اک سیاہ دھند کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!

کاسنی کے پھول

کاسنی کے پھول ابھی کھلے نہیں تھے
کہ محبت مر گئی
موسم وقت کی گڑیا ہے
وقت جسے وقت وقت پہ بدلتا رہتا ہے
محبت نہیں
محبت دائروں سے باہر ہے
صحرا میں پڑی کسی گمشدہ مسافر کے حوادث کی پوٹلی جیسی
شیلا مندر کی آخری سیڑھی پہ رک کر
کہا کرتی تھی
دیکھ بھیّا۔۔۔محبت امر ہے

تب ماہی میری طرف دیکھ کے پلکوں سے آرتی اتارتی تھی
شیلا کا سندور چھن گیا
دکھ اور درد کے خوفناک جنگل میں
میں اور ماہی کسی عجیب موسم میں آ گرے
دائروں کے بیچ حادثہ آ پڑا
میرا اور ماہی کا موسم کئی حصوں میں بٹ گیا
شیلا وقت کی دھند میں کھو گئی
تپتی دوپہر کی دھوپ میں پگھل گئی
پہلگام کی وادیوں میں برفیلے بابا کی طرح
پگڈنڈی کے دوسرے سرے کی اور
ہم تنہا ہوتے گئے لمس چھوٹنے لگے
کاسنی کے پھول ابھی کھلے نہیں تھے
میرے گاؤں کی تازہ ہلکی ٹھنڈی ہواؤں کو ماہی کے شہر کی تپش نے دھول چٹائی
کچے دھاگے ٹوٹ گئے
میرے ہاتھوں کی انگلیوں میں لمبے ریشمی بالوں کو سہلانے کی تڑپ دم توڑ چکی تھی

ایک ہو کا عالم تھا
بے خواب آنکھوں سے لڑکتے آنسوؤں کا ہجوم
ریگ زار سے لپٹ چکا تھا
دائروں سے باہر انجان رستے پہ جنازہ نکل پڑا
اپنے پیچھے نہ کھلے کاسنی کے پھولوں کی مہک چھوڑ کر
دل کی کھڑکی کا پٹ کھلا رہتا ہے
جانے کب دائروں سے باہر کی مہک
موسم کی گرفت میں آئے
وقت کی کروٹ کا کیا بھروسہ۔۔!
محبت دوسرا جنم لے گی
میری انگلیوں میں ریشمی بالوں کو سہلانے کی جنبشیں لوٹ آئیں
کاسنی کے پھول دوبارہ کھلیں۔۔۔۔!!!!!!

نئے خواب کا موسم

بچپن کی یادیں مٹھی میں بھر کے
تتلیاں ڈھونڈنے نکلا تھا
شبنم کے قطرے چھو لئے
تو ہجر کے آبلے پھوٹنے لگے
سرد ہوا کا جھونکا دل کی دھڑکن پہ آ گرا
بجھتی دھوپ نے سہارا دینا چاہا
کہ اندھیروں نے اپنا سایباں کھول دیا
سفر تھک چکا تھا

بند مٹھی کھولی
تو زرد موسم کے سوکھے پتے ہی ملے
ایک ایک کرتے گرتے رہے
خالی مٹھی میں خشک پتوں کی آوازیں دم توڑنے لگیں
رات کے سائے روشنی کی دہلیز کب کے پار کر چکے ہیں
شب کی آغوش میں انگڑائیاں لیتے
گرم بستر میں سرد سلوٹوں کی سرگوشیاں
نئے خواب کا موسم بُن رہی ہیں ۔۔۔۔۔۔۔!

دسمبر کے آنگن میں

نظم تخیل کی زمین سے پھوٹتی ہے
نظروں سے اوجھل کئی بے رنگ آسمانوں کے خیمے ہیں
کئی خلاؤں کے نہتے دربدر دشت وصحرا
جنکی پہنائیوں میں لاشعوری پرندہ اڑتا رہتا ہے
عنوان کا بیج اسی کی چونچ سے گر کے زمیں سے اگ آتا ہے
وقت سے باہر کی وادیوں کا بانجھ پن
زرخیز ہوجاتا ہے
سطریں، معانی، اسلوب، بلاغت وغیرہ
شاخیں، پتے، پھول، ثمر کی طرح ہیں
اشک اوس بن کے آبیاری کرتا ہے

وصل کی دھوپ تازگی لاتی ہے
تو ہجر کی قینچی شاخ تراشی پہ اتر آتی ہے
ہجر سخت کڑوا سچ ہے
شبنم کو پالا بنا دیتا ہے
محبت کے شعلوں سے اتری ہوئی
گیلی راکھ کی طرح۔
لفظوں کے پتوں میں زرد کہرا پھیلا دیتا ہے
زرد موسم رقص کرنے لگتا ہے
گرد و غبار کے لباس میں۔۔
نظم اپنی ہریالی پہ بین کرتی ہے
اپنے تخلیق کار کے ہمراہ
دسمبر کے آنگن میں
زرخیز زمین کا بانجھ پن اوڑھ کر۔۔۔۔۔!

موسموں کے بدلتے تہوار

دکھ سُکھ موسموں کے تہوار ہیں
جو ہمارے جسم و جاں کی گلیوں میں منائے جاتے ہیں
کوئی موسم سبز پتوں کے اوراق لے کر آتا ہے
تو ہماری پلکوں پہ لفظوں کے شگوفے کھلتے ہیں
موسم پیاسے دشت پہ بارش چھڑکتا ہے
تو ہم آنسوؤں کی جگہ شبنم کے قطرے لکھ دیتے ہیں
نرم دھوپ کو چھو کر دھیمی ہوائیں چلتی ہیں
تو ہم آہوں کو دعاؤں میں رنگ دیتے ہیں
موسم بدلتے رہتے ہیں اپنے تہواروں کے ساتھ

میری نظموں کے لڑکھڑاتے راستوں کی طرح
ابر کی گھنی وادیوں پہ نئے آسمان کُھلتے ہیں
بجلی چمکتی ہے
تو کسی بچے کی گڑیا ٹوٹ جاتی ہے
روشنی کے تھرکتے پیروں تلے
یوں میری نظموں میں شگاف پڑتے ہیں۔
پھر خزاں کا تہوار آ ٹپکتا ہے
عریاں موسم کا جشن منانے ہم سب چلتے ہیں
نئے موسم کے کھلیان میں
میں نے کھڑکیوں کے پردے گرادئے
جھانکتا رہتا ہوں کب برف کی چادر اترے گی
میں اپنی عریاں نظمیں ڈھانپ لوں
دکھ سُکھ موسموں کے تہوار ہوتے ہیں
آؤ ہم سب مل جل کر مناتے رہیں۔

زرد آنگن کی دھوپ

کھردرے موسم کے پنکھ
سردیوں کی تلاش میں سرگرداں
دھوپ سینکنے اترے ہیں
میرے آنگن میں۔۔۔
دھول سے اٹی اڑانیں ستانے لگیں
بدلتے موسم کی بجھی بجھی دھوپ
کھلے آسمان کی گلیاریاں تکتی ہے
کرنوں کے راستوں پہ کپکپاتی دھند اُگ آئی ہے
دور کوہ قاف پہ کوئی پرانی شفق اونگھ رہی ہے
سنہرے خوابوں کی سلوٹوں پر

تازہ کہرے کی چادر سے نکل کر
زرد پتوں کی مہک
آوارہ گردی کر رہی ہے
میرے آنگن میں۔۔
میرا آنگن ہجر کی مٹی پہ ٹھہرا ہے
جس میں ان گنت اشکوں کی نہریں دفن ہیں
آہوں کی کئی صدیاں رکی پڑی ہیں
رات دھیرے دھیرے اتر رہی ہے
دعاؤں کے موسمی پرندے لوٹ رہے ہیں
نئے موسم کی نئی صبح میں سو جائیں گے
بجھی بجھی دھوپ جاگے گی
تو ٹھٹھرتے موسم کے پنکھ
پھر دھوپ سینکنے اتریں گے
میرے آنگن کی زرد مسہری پر۔۔۔۔۔۔۔۔!!

اگلے موسم کی دھوپ تک

اگلے موسم کی دھوپ تک
زرد رنگ کی جس چادر پہ بیٹھے تم نظمیں لکھ رہی ہو
وہ پچھلے موسم نے کئی رنگوں سے بُنی ہے
نیلے پیلے سرخ سفید
اور بھی کئی جو میں اب بھول چکا ہوں
رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں
لیکن وقت نہیں
وقت کا کوئی رنگ نہیں ہوتا
وقت اپنے سارے رنگ موسموں کی جھولی میں ڈال دیتا ہے
تم بھی نظموں میں رنگ بھرتی رہتی ہو

اپنے تمام رنگ تیاگ کر
سانسوں کی پروائیاں لٹاتی ہو
آنکھوں کی دھوپ خرچ کرتی ہو
لفظوں کی آہٹیں سمیٹ کر سرہانا بناتی ہو
سوجاتی ہو تکان کی چادر اوڑھ کر
خوابوں کے کسی ویراں جزیرے میں
تم نظمیں لکھتی رہو
میں پچھلے موسم کی شاخوں سے دھوپ اتار کے آتا ہوں
اگلا موسم شاخوں پہ برف سُلانے آرہا ہے
یادوں کی جھیل کا بدن منجمد ہوجائے گا
بدن کے آئینے سے نظمیں منعکس ہوجائیں گی
ہم دونوں یخ بستہ نظموں کو مشترکہ آنچ پہ
دھیرے دھیرے سلگاتے رہیں گے
اگلے موسم کی دھوپ تک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!

گملوں میں اگائی نظمیں

تھکی تھکی دھوپ انگڑائیاں لے رہی ہے
نڈھال موسم کے آنگن میں
پرندے عریاں شاخوں پہ بیٹھے گزرے موسم پہ بین کرتے ہیں
تم بھی آؤ کچن کا کام ادھورا چھوڑ کے
سوکھے پڑے پتے ہوا سے سرگوشیاں کر رہے ہیں
ہم بھی سن لیں۔۔
شام ہونے تک ہماری سماعتیں بوڑھی ہو جائیں گی
گلدانوں کی مٹی نکال کے رکھ دو
کھلی فضاء میں سانس لے گی

ہمارے بدن کی مٹی بھی اب خشک ہوتی جارہی ہے
گئے موسموں نے ساری نمی چوس لی ہے
یہ پھول کھل کے مرجھاتے کیوں ہیں
ہمیں خود سے سوال پوچھنا چاہیئے
گملے صاف کر کے رکھ دو
میں نظموں کا بیج نکال کے رکھتا ہوں
اگلے موسم میں ہم ان گملوں میں نظمیں اگائیں گے
نظمیں، جو کبھی مرجھا نہیں جاتی
سوکھ کر بکھرتی نہیں
بکھر کے فنا نہیں ہوتی
بدلتے موسموں کے ساتھ ہمیں زندہ رہنا ہے
وقت کے گلدانوں میں
رنگ بدلتی نظموں کی طرح۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!

۞۞۞

مرے دائرے کا صفر

یہ کس نے تقسیم کیا وقت کو
ہندسوں میں
سازش ہے یہ مجھے ہندسوں میں الجھانے کی
یہ بکھراو مجھے خود کو سمیٹنے نہیں دیتا ہے
کوئی مجھے صفر پہ لے آؤ
میں وقت کے جال سے آزاد ہونا چاہتا ہوں
میں سلجھنا چاہتا ہوں
آئینے سے باہر نکلنا چاہتا ہوں
اپنا عکس بن کر

خود کو وہیں چھوڑ کر
سلاسل کے سفر سے تھک چکا ہوں
دوسری بیداری سے اکتا چکا ہوں
دوسری نیند سونا چاہتا ہوں
تیسرے خواب تک
مجھے گھر لوٹنا ہے
مسلسل بیداری کے گاؤں میں
جہاں اور کوئی ہندسہ نہیں
صرف میرا صفر ہے
جو نہ خود تقسیم ہوتا ہے
نہ اور کسی کو تقسیم کرتا ہے۔۔۔۔!!

ابدیت کا گیت

تم جو ہنستی ہو تو
میرے آنگن کے خاموش پیڑ پہ
دھوپ کھلکھلانے اترتی ہے
دھوپ ۔۔ جو ابدیت کے گاؤں میں خود بخود اگتی رہتی ہے
ہر موسم میں، وقت کی کیاریوں سے باہر
ابدیت کا گاؤں کالے جزیرے پہ وقت سے پہلے بسایا ہوا ہے
کالا جزیرہ، جو ان گنت خاموشیوں سے تعمیر شدہ ہے ۔۔۔۔۔۔
تم جو ہنستی ہو تو

مرے آنگن کے پیڑ پہ بادل رقص کرنے
اترتے ہیں
سفید روئی میں ملبوس پریوں کی طرح
سارے رنگوں کے غبارے چھوڑ کے
بادل ۔۔ جو گاؤں کے تالاب میں اکثر نہاتے رہتے ہیں
برف کی پہلی تہہ میں چھپے گالے بدن پہ رگڑتے ہیں
برف کی پہلی تہہ، جس پر کبھی کوئی موسم نہیں آتا ہے
بادل ابدیت کے سمندر سے اڑان بھرتے ہیں
مدوجزر کے اڑن کھٹولے پر۔۔۔۔۔
تم جو ہنستی ہو تو
مرے آنگن کے پیڑ پہ بارشیں بھیگنے چلی آتی ہیں
دکھ سکھ کے شعلوں سے بُنی چادر اوڑھے
شعلے ابدیت کی مسکراہٹ میں پھلتے پھولتے ہیں
ان پہ روشنی سے نچوڑا عکس چڑھایا جاتا ہے
وقت سے باہر کی برف میں ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔
تم جو ہنستی ہو تو
دھوپ، بادل اور بارش

مرے آنگن کے پیڑ کی لامحدویت میں پناہ لیتے ہیں
پرندوں کی چہچہاہٹ پہ دھڑکتے ہیں
اوس کی بوندیں چوستے ہیں
پتوں کی سرسراہٹ پہ سوتے ہیں
ہوا کی سرگوشیوں پہ اونگھتے ہیں
تم جو ہنستی ہو تو
مرے آنگن کے پیڑ پہ میلہ لگتا ہے
وصل کے کسی پُر گماں لمحے کا
ہجر کی صدیوں بھری رات کا
کوئی دکھ کسی ابدیت کا گیت گاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!

حبسِ تنہائی

یادوں کی بارشیں
خشک آنکھوں سے ٹپکتی ہیں
بھیگی بھیگی منڈیروں پہ
بال کھولے سوگوار بادل
تنہائی کے حبس میں
عدت گزار رہے ہیں
جگنوؤں سے کہدو
کھڑکیوں سے نہ جھانکیں
چاند گرہن سو رہا ہے

سیاہ کفن کی عریانی تان کے
موسم کے بدلنے میں ابھی وقت لگے گا
سوچوں کی پوٹلی کا گلا دبا دوں
نازک ہیں انتظار کی تتلیاں
تھک نہ جائیں
کہیں
مر نہ جائیں.....................!!!!!

رِبُوٹ Reboot

مٹی کے خلاصہ سے اُٹھا کر
بوند کی لانہایت عظمت تک لے آیا
غارِ تقدس کی محفوظ پناہ بخشی
معنبر فضاؤں کی مہکتی خموشی میں
سیاہ نور کے مسلسل دائروں سے نہارا
خون کا لوتھڑا شعورِ عکس پہ رکھ دیا
گوشت کی بوٹی کے نرم سانچے میں ڈالا
ہڈیوں کو نمایاں کر کے
گوشت سے ملمع کیا.....

روح پھونک کر حیرت آفرین صورت دیدی........
کُن ......!!!..........لایصورکُم اللہ ....
فیکون!!!......فی احسنِ تقویم...........
مٹی کی تقدیس پہ تخت نشین کیا
مٹی کا خلاصہ عطا کیا..
مٹی امانت ٹھہری.....
ایک گونج اٹھی عرش سے فرش تک.......
کُن کی....
فیکون سے وابسطہ ہر شے نے لبیک کی..
اشرف المخلوقات.......
اور پھر کیا ہوا.....
مٹی کے پھیپھڑوں میں دھواں ہی دھواں بھر دیا گیا
کثافت کی چادر میں منظر لپیٹے گئے
تارِنفس کی راہ گم ہونی شروع ہوئی
اے تقویم۔احسن.....
وقت کی دھڑکنیں سمیٹ کر
حبسِ پشیمانی میں کچھ ساعتیں گزار...

مٹی چاک پہ واپس آ رہی ہے
کن کی صدائیں سُن ....
سب تھم چکا ہے..........
صرف کُن دھڑک رہا ہے.
مٹی کا خلاصہ ربوٹ ہو رہا ہے..........!

❁❁❁

اے مری شہزادی

میرا گاؤں میٹھا ہے
تیرے شہر کی مرغوب غذا
گاؤں کھاتے کھاتے تیرا شہر بڑا ہوا ہے
تنگ گلیوں کی سڑاند گھٹن چاٹ رہا ہے
جھلستی سڑکوں پہ پھسلتی سیال
گردِشور وشر اور دودِ نظارہ ءِ گُم گشتگاں
اُف.... بھٹکتی ہواؤں میں یہ میلی نمی
بسترِ نادیدہ پہ بیمار صبح کی کرنیں
مرگِ انبوہ کی دعائیں مانگ رہی ہیں
مرے گاؤں کے کُھلے راستے پہ
جب چاندنی کا پیرہن اُترتا ہے
پرندے پتوں کی اوٹ سے جھانکنا شروع کردیتے ہیں
جگنو اپنے چراغ بجھا دیتے ہیں

اور نیم وا آنکھوں سے حسن نظارہ کو تکتے ہیں
میرے گاؤں میں جو قبرستان ہے
ہمارے آباواجداد کی وراثت ہے
جہاں سوسن کے پھول سال بھر مہکتے رہتے ہیں
یہاں تربتیں بھی خاندانوں کی طرح رہتی ہیں..
اور پرندے آ کر موت کو زندگی کے گیت گا کر سناتے ہیں
تم مجھے اپنی ملکیت بنا کے تو دیکھو
یہ لہلہاتے کھیت دہکتے تارکول کے نیچے دفن ہو جائینگے
شور کی بھیڑ میں دریا اور آبشاروں کی کھنکتی صدائیں گم ہو جائینگی
موسموں کی پازیب ٹوٹ جائے گی
جھنکار سکوتِ غار میں سوگوار بیوہ کی طرح سیاہ چادر اوڑھ لے گی...
چشمے سوکھ جائیں تو چاند شب کی تنہائی میں تاروں کے سنگ کہاں نہانے
اترے گا
پریاں کن کے کناروں پہ آ کے ناچیں گی
اوس کی اشک فشانی کس سبزہء نورستہ پہ دعاؤں کا مصلی اچھا دے گی
پھول کن شاخوں پہ کھلیں گے..
کونسی شاخ ثمر بار ہو کے سجدے میں جھک جائے گی

مجھے کاغذی پھولوں سے نفرت ہے
بے حس گلدانوں میں مٹی کے خلاصے کا دم گھٹتا ہے
مجھے دہکتا فرشِ ریگ نہیں چاہیئے
مری آنکھوں کو سبز مخمل پہ سونے کی عادت ہے
میرے خواب سبزہ زاروں میں پنپتے ہیں
ٹہلتے ہیں... دعائیں مانگتے ہیں..
اے مری شہزادی........
تُجھے ڈالانوں میں سجیں مغل باغات کی تصاویر مبارک
تو مجھے اپنے شہر میں نہ سماؤ
میں گاؤں کا شہزادہ ہوں
ترے شہر کی بھوکی ویرانی مجھے کھا جائے گی
اور اگر میں زندہ نہ رہا........
تو تجھے اپنی ہی بھوک نگل جائے گی
اور یہ دنیا جینا چھوڑ دے گی...............!

ورثہ

تم اپنا پیچھا کرتے رہو
یہاں تک کہ تھک ہار کے مر جاؤ گے
تم میں ہو
اور میں تم ہوں
موت ہماری مشترکہ وراثت ہے
بانٹ لینے سے کم نہیں ہوتی
ساری کی ساری موجود رہتی ہے
یہی ایک ورثہ ہے
جسے ہم مکمل چھوڑ جاتے ہیں
آنے والی نسلوں کے لئے...............

نامکمل نظم

ایک ادھوری کہانی ہے
مری اس نامکمل نظم میں
کُن اور فیکون کے بیچ
لفظوں کی سیج پہ
معانی کی خوشبوؤں میں
حیرتی کی چادر تلے
تمہارے انتظار میں
کبھی فرصت ملے تو آ جانا
مکمل ہونا چاہتی ہے
مری کائناتی نظم.........!

خواب کا آخری سِرا

تھکا دیتا ہے زندگی کو یہ دن کا شور
سرمئی شام حیا کی چادر اوڑھے،
آ کر پاؤں دبانے لگتی ہے
نیم گرم لمس سے۔۔۔۔
کروٹیں بدلنے لگتی ہیں
یہ چور چور ہوئی سانسیں۔
تو آنکھوں پہ آ کر بیٹھتی ہیں
سکون کی تتلیاں

چوس لیتی ہیں تکان، آہستہ آہستہ۔۔
پرانی تاریکیاں اونگھنے لگتی ہیں
نئی روشنی کے چراغوں کے دامن پہ۔۔
دیواروں سے خستہ سسکیاں
اتر کر بالوں کو سہلاتی ہیں
بند کمرے میں
بہہ جاتی ہیں یادوں کی انگڑائیاں
وال کلاک کی ٹک ٹک میں۔۔
میرا سفر پڑاو بچھا کر
تکان کی چادر اوڑھ کے
سو جاتا ہے۔۔
تبھی تکان کے پہاڑ کے پیچھے
دردستان کی خاموش وادی میں
اذان ہوتی ہے۔۔
پری زادیاں انگڑائیاں لیتی ہیں
کہ صبح ہوگئی¡
اک اور نیا خواب بننا ہے

کسی خرقہ پوش کے لئے۔۔۔
چل پڑتا ہے
نئے اجالے کی تلاش میں
میرے اندر کا خوابیدہ مسافر۔۔
جسے پہنچنا ہے، صدا کے ٹوٹنے سے پہلے
خواب کے آخری سِرے تک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فریم سے نکلا آدمی

صاحب آباد کے پہلو میں
جنگل ہے اک یادوں کا
ہرا بھرا۔۔۔۔۔اونچے اونچے پیڑوں سے
پیڑ۔۔سرگوشیوں میں انڈیل رہے ہیں
نیلگوں کی پہنائیاں۔۔
شاخوں میں الجھی الہڑ ہوائیں جھوم رہی ہیں۔
جیسے دوشیزائیں صاحب آباد کی
دامن میں اک چشمہ ابل رہا ہے
نچوڑ رہا ہے ماضی کے اوراق سے
اک اک قطرہ، اک اک مصرع، اک اک نظم
سرک رہا ہے اک جھرنا

رستی رستی دھاروں کا
انگڑائیاں لیتے کچھ پودوں کے بیچ
لوہے کے دراز قد کھمبے پہ ٹھہری قندیل
دھوپ میں خود کو بجھا رہی ہے
دھوپ۔۔سبز گھاس سے چھوٹے اوس کو چاٹ کر خود کو سنبھال نہ پائے
کچھ شجر انگڑائیاں لیتے ہوئے
کچھ اپنے غبار سے غبارہ بنے بیٹھے
جھرنا۔۔۔تراشیدہ پتھروں کے بیچ اپنا سراپا سمیٹتے سمیٹتے بکھر رہا ہے
ایک فلش لائٹ رات کے انتظار میں۔۔
کچھ زرد کلیاں صرف دو قدم آگے۔
کیمرے کی آنکھ میں میرا ہمزاد پتھر ہو چکا ہے۔
مدتوں بعد فریم سے نکلا آدمی
مجھے سنا رہا ہے میری نظم
صاحب آباد سے کوسوں دور۔۔۔۔۔!!!!!

محبت کائنات کی نظم ہے۔۔

وصل کی کائنات پہ موسم ہجر اتر آیا ہے
عشق کی سب رنگینیاں ماند پڑی ہیں
حسن کی شوخ ادائیں نگاہوں سے اوجھل ہیں
نہ کوئی سورج دمکتا ہے نہ کوئی چاند چمکتا ہے
نہ کوئی ستارہ محو گردش ہے
سارے محور ساکت ہیں
کوئی شگوفہ نہیں پھوٹتا ہے
کوئی کونپل نہیں کوئی لالہ نہیں
کوئی ہرا پتا نہیں ہری بھری شاخ نہیں
صرف ہوا کی زمہریری سرگوشیاں بین کر رہی ہیں
نظروں کے پرندے دم بخود ہیں
اڑانوں کے منڈیروں پہ اداسی کے جال بانہیں پھیلائے ہیں

محبت کی کائنات پہ حبس طاری ہے
حبس ۔۔ جو کائنات کی ہنستی کھیلتی دھڑکن کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے
کائنات محبت کی سانسوں پہ ٹکی ہے
حسن و عشق کی نظم ہے
وصل و ہجر کے دھاگوں سے بُنی جاتی ہے
یادوں کے رنگوں سے رنگی جاتی ہے
شب کی خاموش تنہائیوں میں لکھی جاتی ہے،
آہوں سے نچوڑی جاتی ہے
ہچکیوں پہ گنگنائی جاتی ہے
اداس لمحوں سے پروئی جاتی ہے
موسموں کی دھن پہ گائی جاتی ہے
محبت کائنات کی نظم ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

کائنات، نظم اور تنہائی۔۔۔۔

کائنات کی نظم تنہائی میں تخلیق ہوئی ہے
میری طرح
اس میں کائنات سے باہر کا سارا شور و شر بھرا پڑا ہے
میرے کمرے کی طرح
میرا کمرہ۔۔ جہاں میری سوچ تنہائیاں بُنتی رہتی ہے
جہاں میں دیواروں سے باتیں کرتا رہتا ہوں
دیواریں مجھے اچھی لگتی ہیں
میرا ساتھ دیتی ہیں
ان کے ساتھ کھڑا رہ کر میں اکثر روتا رہتا ہوں
بوجھ ہلکا ہوتا ہے، تخلیقی کرب کا

باہر کی دیواروں سے دھوپ لپٹ چکی ہے
اندر سامنے والے دیوار کی صلیب پہ دھوپ کا ٹکڑا خود کو پرکھ رہا ہے
روزن سے جھانک کے اندر پھسل پڑا تھا
میں نے اس پہ آنکھ رکھی تو.....:
وہ اچھل کے میری ہتھیلی پہ بیٹھ گیا
ہتھیلی۔۔جس پہ کائنات کی ساری لکیریں
مقدر کا ماتم منا رہی ہیں
لکیریں۔۔رکے دریاؤں کی طرح۔۔۔
پھر بھی رواں دواں ہیں اپنی
تنہائیوں میں
کائنات کی نظم کی طرح
خود کو تنہائیوں میں بُنتی جا رہی ہیں
کائنات کی نظم تنہائی میں تخلیق ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔!

۞۞۞

دھول۔۔۔

تم آئینے میں کیا دیکھ رہی ہو
وہاں کوئی نہیں ہے
اک عکس تھا ہم دونوں کا
جو دفن ہو چکا ہے
آئینے پہ جمی دھول کے نیچے
دھول ہماری مشترکہ یادوں کی ہے
اک بوجھ، جو ہم صدیوں سے ڈھو رہے ہیں
عکس ہمارا پہناوا تھا۔۔ہم سے چھینا گیا
عریانی پہن لو اور باہر آ جاو

دردکے آنگن میں سوکھے شجرپہ
زردموسم کی دھوپ
ہمیں بلارہی ہے
کوئی تو ہے
جوہمارے بدن سے دھول چاٹ لے
عکس کوپھر سے زندہ کرے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

اندھیروں کی آخری شکست

تپتی ریت مٹھی میں دبائے
میں بیچ صحرا کے کھڑا ہوں
ریت کی تپش ہاتھوں کی لکیروں میں
دھیرے دھیرے سرایت کر رہی ہے
فکر کی وادیوں میں عجیب موسم ہے
آس پاس سوچوں نے خیمے گاڑ دیے ہیں
خاموشیوں کی ہلکی ہلکی سرگوشیاں خیموں سے جھانک رہی ہیں
میں خود کو بار بار ٹٹولنے لگا ہوں
وادیءرضاء سے اُٹھی
صدائے بازگشت اور قریب آچکی ہے

کربلا کی دائمی معطّر وسعتوں تک
شام مرے سوچ کے پربت پہ دھند کے شفق کو سلگا رہی ہے
خیموں میں دیئے تلملانے لگے
معصوم بچے ہاتھوں کے دائرے لئے لو سمیٹنے لگے
باہر مانوس ہوائیں گشت کرنے لگی ہیں
ہواؤں کے سرخ پنجوں میں فرات کی منجمد پیاس چیخنے لگی
معصوم ہاتھوں کے دائرے اک اک لو سنبھالے خیموں کی فلک زار
پہنائیاں ماپ رہے ہیں
آج رات جو سورج تخلیق ہوا
اس میں اک اک لو شامل نور رہے
کل کا سورج تکمیل کی روشنی لیکر طلوع ہوگا
اندھیروں کی آخری بساط ہار چکی ہے..

ابر کا گھروندہ

ٹوٹ گئی وہ ڈالی
آنگن کے پیڑ کی
جسکی جڑوں کو سینچا تھا اشک سے
بارش کی بوندوں کی طرح
ہتھیلی پہ رکھ رکھ کے
ہر کلی کی قبا میں شبنم کے قطرے جڑے تھے
سورج اگنے سے پہلے، شب کی شرمیلی خاموشی میں گماں کے بٹن ٹانکتے
ٹانکتے نہ جانے کتنی بار خارِ محافظ کی شرارتوں نے چبھویا ہے

انگلیوں کی چھیڑ خوانی کو
تیری الہڑ جوانی کے کھلنے تک
بندِ قبا کو بادِ عشقِ صبا نے نرم سرگوشیوں سے چھوکر کھولا تو...!
تمناؤں کی باہیں انگڑائیاں لینے لگیں
چہچہاہٹ نے ہوا کے تاروں کو چھیڑا تو
فضاء میں گنگناہٹ تیرنے نکلی
پچھلی بارش کی طرح
سوچ کے اس پار کا فوری گاؤں کی نیلے رنگ کی جھیل میں سرخ بدن لئے
کوئی جل پری سی
جھیل: جسکے کناروں پہ تتلیاں وفا کی نظموں سے خوشبو تراشتی ہیں
گلوں کے تارتار پیراہن بادِ صرصر کی زد پہ... تُف.....!!!
دھندلی شام کے بہکے بہکے چراغ کی بتی دھواں چھوڑ رہی ہے جیسے،
میرا ہونا پتنگے میں ڈھل گیا
محبت کے آخری سرے کو تھام کر
دئے کی لو میں فنا ہو گیا
مری راکھ تری خاک سے ہمکنار مسافتوں کی نذر
رقص کا دائرہ توڑ کے دونوں موسم کی تلاش میں نکلے

اگلے موسم میں نئے شجر کو کھلانے
اپنے آنگن کے پیڑ پر
سورج چاند تارے اوس خوشبو ہوا
نہ جانے اور کتنے ،کون، کیا کیا.......!
ارض وسما کو اوڑھنا بچھونا بنا کے
خوابوں کے جزیرے میں سو گئے.
ہماری طرح......................!!!!

"لاتعلقی"

دشتِ جنوں میں کسی دیوانے کی میت پہ
جب ریت اپنا کفن ڈالتی ہے
بیستون سے جب کسی سر پھرے کا لہو رسنے لگتا ہے
کسی پیمبر کے نورِ چشم کا دامن جب چاک ہو جائے
خشک دریا سے جب اشک بھرے ہمنوا دو گھڑے مل جائیں
میری کہانی اپنی تکمیل پاتی ہے
میں کائنات سے باہر موت کا امکانی حادثہ ہوں
زندگی سے میرا کوئی تعلق نہیں
میں خواب کے بستر پہ رات بھر روتا رہتا ہوں

اک نئی صبح کی تلاش میں
ایک نئے امکانی حادثے کی اذیتیں لیکر
زندگی کی دھوپ کو موت کے سائے میں لے آؤں
کائنات کو اپنی قید سے رہا کردوں
مجھے اپنی کہانی کے کینواس پہ بکھرنا ہے
خودکو سمیٹنے کے لئے
کہانی۔۔جس میں مرا امکان کرداروں کو زندہ کرتا ہے
وقت کی سوئیوں سے باندھ کر گھماتا ہے
پردہ گرنے سے پہلے صلیب تک لے آتا ہے
ہال میں بیٹھے تماشائیوں کا آخری شور
محبت کی داستاں کو خاموش کردیتا ہے
میں کائنات سے باہر موت کا امکانی حادثہ ہوں
زندگی سے مرا کوئی تعلق نہیں ہے

ہجرت کا پانچواں موسم

مرے بچپن میں آج بھی اک چھوٹا کمرہ ہے
جسمیں پڑی کچھ چیزیں روز مرے ساتھ باتیں کرتی رہتی ہیں
اک ٹوٹا قلم اک سوکھی دوات اک میلی تختی....
کچھ بے جان کھلونے بھی ہیں
بابا نے لائے تھے
جب جب گاؤں میں میلہ لگتا تھا
ماں نے سنبھال کے رکھے ہیں
وقت کی پوٹلی میں
درد کی انمول نشانیاں بنا کر
جن کی خامشی میں آج بھی چاروں پہر میلے لگتے ہیں
کئی کھلونے مرے ہاتھوں سے گر کر ٹوٹ بھی گئے

کرچیاں سمیٹتا گیا
آنسوؤں سے نہلاتا گیا
چوری چھپے دفن کرتا رہا
اپنے دکھ کے قبرستاں میں..
کچھ زندہ کھلونے بھی آتے جاتے تھے
آکر رہتے تھے مرے ساتھ
رہ کر جاتے تھے مجھ سے دور
ہجرتوں کے موسموں میں...
آتے تھے تو.......
نئی دھوپ کے موسم میں
برقی تاروں پہ جھنڈ در جھنڈ
کہکشاں ابابیلوں کے
کہکشاں سے نکلی جوڑی
بنا دستک دئے بچپن کے چھوٹے کمرے میں آتی تھی
پٹ باہیں کھول کے ہوتے تھے
چھت سے چمٹا ٹوٹا گھونسلہ
سانس لینے لگتا تھا

تنکے اور کیچڑ اک دوسرے سے ہمکنار ہوتے تھے
گھونسلے میں میلہ لگتا تھا
نئے کھلونے چوں چوں کرتے تھے
میرا بچپن جاگ جاتا تھا، اچھلتا تھا، کودتا تھا
قلم دوات اور تختی کھل کھلانے لگتے تھے
ہجرت کے اگلے موسم تک...
جاتے تھے تو......
بچپن میں ٹھہرے کمرے کو سنسان چھوڑ کر
دور مرے ہونے سے بہت دور
مری نگاہیں ان کا تعاقب کرتیں تھی
کھڑکے کے پٹ تک
تاروں کے کہکشاں تک
ہمالہ کے اوپر تیرتے بادلوں تک
نیل گگن کی ان دیکھی پہنائیوں تک ....
پھر پانچواں موسم آ گیا
ہجرت کا آخری موسم
میرے بچپن میں ٹھہرا کمرہ بدل گیا

رنگ سے روغن سے
نئی سوچ سے
چھت سے چمٹا ابابیلوں کا گھونسلہ ٹوٹ گیا
کھڑکی کا پٹ بدل گیا
جھالی کے چھیدوں نے آنے جانے کے رستے چھلنی کر دئے
چھیدوں کی دیوار اُٹھی
نظریں آر پار چھلنی
بدن دھرے کے دھرے رہ گئے
ابابیلیں آئیں ہونگی
دستکیں سنی نہیں گئیں
کھلونوں کی مجبوریاں خاموش ہوئیں ہونگی
پانچواں موسم تھا
آخری ہجرتوں کا
آیا تو آ کر ہی رہ گیا
آج تک جانے کا نام نہیں لیتا
میں بچپن کے چھوٹے کمرے میں اب دکھ کے کھلونے توڑتے توڑتے
تھک چکا ہوں

مرے سینے میں کرچیوں کا قبرستان بھر چکا ہے
کھڑکیوں کے جالی دار پٹ کھول دو
مرے ابابیلوں کو رستہ دو
آنے دو جانے دو
جا کر پھر آنے دو
وقت کو گھٹن ہو رہی ہے
کمرے میں مدفن کھلونے سسک رہے ہیں
بلک رہے ہیں کراہ رہے ہیں..
زندگی ہجرت سے چھٹکارا چاہتی ہے
جالی دار پٹ کھول دو
ہجرتوں کا پانچواں موسم اب بھی نہ گیا
تو پھر کبھی نہیں جائے گا....!

پت جھڑ کی دستک۔۔۔!

زندگی کھلا صحیفہ ہے
ورق ورق پہ لفظوں کے پرندے چہچہا رہے ہیں
نقطہ نقطہ ستاروں کی طرح ٹمٹما رہا ہے
کہیں عنوان کا چاند نظر آنے تو
کہیں سورج کی کرن لوحِ شبنم پہ نیم دراز
صفحے صفحے پہ اقتباسات بکھرے پڑے ہیں
ہلکی ہلکی دھول کی چادر اوڑھے
دھندلی نظر جنہیں چھوتے ہوئے ٹٹول رہی ہے

قرطاسِ حیات گزرتے لمحات سے بھرا پڑا ہے
جنہیں پڑھنے کی اب سکت نہیں
بس یادوں کا تھکا ہارا سہارا ہی باقی ہے
سبز، گلابی، سنہرا یا زرد
سبھی رنگوں کی کہانیاں پھیلی ہوئی ہیں
جنہیں اب جگہ جگہ دیمک چاٹ رہی ہے
بوسیدہ اوراق ایک دوسرے سے چپک رہے ہیں
گلےمل کے چیخیں مار رہے ہیں
جیسے کسی اپنے کی وداعی ہے
ماتم کی دھن پہ بین کر رہے ہیں
چھن چھن کے گر رہے ہیں
ٹوٹتے اشکوں کی طرح
مہاجر پرندے لوٹنے کی تیاری میں،
خالی ہاتھ لئے
بنجارے خیمے اکھاڑ رہے ہیں
نئے پڑاو پہ جانے کی تیاری میں
اگلا پڑاو، موسموں کے پار ہے

زرد ہوائیں ورق ورق اڑانے کی تاک میں ہیں
سارے رنگ وقت کی دھول میں کھو جائیں گے
موسموں کا آخری صفحہ آنکھوں سے اتر رہا ہے
پت جھڑ کی دستک صاف سنائی دے رہی
ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!

"صاحب آباد کا چنار"

اندر سے پوری طرح کھوکھلا
صاحب آباد کا چنار
جس کے سائے میں اکثر
میں زندگی کے الجھے دھاگوں کو سلجھانے بیٹھتا ہوں
صاحب آباد۔۔میرے گاؤں کی پگڈنڈی کا آخری پڑاو
جہاں برسوں سے رواں دواں سفر کی تکان اسی چنار کی چھاؤں میں
سستاتی چلی آئی ہے
میں اور زندگی کے الجھے دھاگے جب یہاں بیٹھتے ہیں
تو دھوپ شاخوں پہ اتر کر ہمیں دعائیں دینے لگتی ہے
چھاؤں دھاگوں میں الجھی لوئیں سہلاتی ہے
تمہاری یادوں کے سمندر سے گرہن زدہ مد و جزر آسماں اوڑھ کے رو

لیتے ہیں
تب برسات کا موسم ہوتا ہے
صاحب آباد میں
بارش کے قطرے کھینچ لیتے ہیں
سلگتے بدن سے ہجر زدہ موسموں کے رنگ
رنگ ۔۔ایک ایک کر کے تمام رنگ
محبت کتنی بے رنگ لگتی ہے
چنار کے کھوکھلے پن کی طرح
میں صاحب آباد، چنار، چھاؤں ۔۔
یہ سب چھوڑ کے پگڈنڈی پکڑ کے لوٹ آتا ہوں
محبت کے الجھے دھاگے
آنکھوں کے سیاہ تہہ خانے میں چھپا کر ۔۔

شکن زاد تخلیق

کشمیر سے دُکھ کا شاعر ہوں
اک دھول جمی ہے چہرے پر
تشہیرِ دھواں ہے آنکھوں میں
قرطاس پہ بکھری ہیں لاشیں
اور قطرہ قطرہ رستا ہے
اس نوک قلم سے تازہ لہو
آہیں ہیں صریرِ خامہ میں
ہر نقطہ ہے اک تربت سا

ہر لفظ ہے سوئے دار و رسن
ہر حرف ہے میرا پا بہ زنجیر
ہر شوقِ تخیل زخمی ہے
ہر صنفِ سُخن ہے گریہ کناں
رفتارِ غزل پہ قدغن ہے
ہر شاخ نظم ہے برق زدہ
اور نثر گریباں چاک کئے
پیوستہ خنجر فکر میں ہے
اک سہما سہما موسم سا
گلزارِ معانی ویراں ہے
زرخیز زمینیں بنجر ہیں
ہر قافیہ بجھتا جگنو سا
جب برگِ ردیف پہ پت جھڑ ہو
پھر شعر مردف کیا ہوگا
اے دوست نہ کر اب مجھ سے طلب
وہ نظم و غزل کی خوشبوئیں
وہ باغ کلی وہ تتلی ... سب

ماضی کی کہانی بن بیٹھے

اپنا جو حال ہے رہنے دے........

پر بچے....

کشمیر کے تخلیقی بچے.......

تخلیق سے پہلے ہی بوڑھے ہوئے..........!!!!!

زکواۃ حسن ہی مانگوں۔۔

کہ اک صحرا نشیں ہوں میں
سرابوں کے تسلسل میں
جنوں کا دائمی موسم
ہے مجھ پر مہرباں جاناں
سکوتِ آسماں چھت ہے
ستارے ہیں چراغ اپنے
کہ یادوں کے دیے روشن ہیں
طاقِ زخم پہ رکھے
ردائے عشق اوڑھے ہوں

کوئی سورج ابلتا ہے
بدن کی زردنگری میں
یہاں آنکھوں کے منظر پہ
کئی ظلمات ہیں رقصاں
یہ اشکوں کے پرندے محوِ نظارہ
ہیں پلکوں کے منڈیروں پر
ترے چہرے پہ ٹھہرے نور کے لاکھوں سمندر ہیں
پیاسا دشت ہوں جاناں
بدن میں گردش لو ہے کہ آوارہ کوئی شعلہ
مگر اب سوچتا ہوں
"مرے کاسے میں اب تو بس
متاعِ ہجر ہے جاناں
بہت مفلس ہوں
سارا لُٹ چکا ہوں
مسافر تیری بستی کا
بنا پھرتا رہوں جاناں
زکواۃِ حسن ہی مانگوں

زکواۃِ حسن ہی دیدے۔
جنوں کے اس جھلستے دائمی موسم کو
دو پل
تمہارے برگ تر کی تو کوئی خیرات مل جائے
پیاسا دشت ہوں جاناں
کبھی سیراب ہو جاؤں "

زرد موسم کی بارش۔۔۔

زرد موسم کی سنہری نیم گرم دھوپ
بدن کو تھپتھپا کے سُلاتی ہے
جسم کی کائنات پہ سہانی غنودگی اترتی ہے
خوابوں کا کوئی نیا جزیرہ دھند سے باہر نکل آتا ہے
دھوپ کی شاہراہ پر چلتا مسافر ستانے بیٹھتا ہے
دھوپ اور بادل کا پرانا رشتہ ہے
ان کی آنکھ مچولی کائنات میں پنپتی زندگی کا محور ہے
زندگی اپنی کھلبلی پہ قائم ودائم ہے
دھوپ چھلکتی ہے تو عرق شبنم میں ڈھل جاتا ہے
شعاعیں سمندروں کا اوس اٹھا کے بُنتی ہیں سفید روئی کے بادل
نیلگوں فلک پہ سکھانے رکھی جاتی ہے
سفید بادلوں سے بُنی چادر

فلک اسے وقت کے ہاتھوں نچوڑتا ہے
چھڑکتا ہے زمین کے کھردرے بدن پہ
سرورِخواب سے جگانے کے لئے
آنکھ مچولی کھیلنی ہے
کائنات میں پنپتی زندگی کو دھڑکنے کے لئے
کائنات کی دھڑکن زندگی کا محور ہے
زندگی جب وقت گزارتے تھکنے لگے
سنہری دھوپ میں ستانے بیٹھتی ہے
نینداسے اپنی آغوش میں لیتی ہے
کائنات جیسے رُک جاتی ہے
دھند کے جزیرے پہ
کچھ دیر کے لئے
پھر جگانے آجاتی ہے اسے نیم خُنک
زردموسم کی بارش۔۔۔۔۔۔۔۔!!!

ابدیت کی چھاؤں

عمر کی پہلی نظم کی پہلی چھاؤں تھی
ماں کی گود میں بیٹھا میں نے کہا
ماں ۔۔تم خدا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!
میرے ہونٹوں پر اپنی نرم انگلی رکھ کر کہا
چپ ہو جا
خدا سنے گا تو۔۔۔۔!!
عمر کی اگلی نظم کی گہری چھاؤں سے
ماں اٹھ کر چلی گئی
اب کس سے کہوں

اب ٹوکنے والا بھی تو نہیں کوئی

ہاں۔۔

جب نظم کو دھوپ ستاتی ہے

لفظوں کی چھاؤں کا آنچل کھلتا ہے

یوں لگتا ہے

کوئی سنتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!!!!

خواب کی اوٹ سے

محل نما اس مکان کی
چھوٹی کھڑکی کے
رنگیں پردے کے پیچھے سے
ہاتھوں میں گڑیا لے کر
اک زندہ گڑیا جھانک رہی ہے
نیل گگن میں تارے ہونگے
چنداماں کے راج دلارے
سورج بھی اک ہنستا کھلتا
تیرتے بادل اڑتے پنچھی

دور گگن کی پہنائی میں
اپنی بھی پرواز کوئی ہے
سوچ رہی تھی گڑیا رانی
جھانک رہی ہے آنگن میں
کب سے دیکھ رہی ہے
اک رنگ برنگی
اڑتی پھرتی تتلی کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رشتے

رشتوں کی بنیاد ہے اب بھی
اپنی جگہ۔۔۔۔رہنے دو
بس رشتے ہی ٹوٹ گئے
کچھ اپنے تھے روٹھ گئے
کچھ رستے میں چھوٹ گئے
جو دھاگے مظبوط تھے لگتے
وہ کتنے کمزور ہیں نکلے
اب ہم نے بھی چھوڑ دئے ہیں
رشتے وشتے ناطے واطے
اپنا آپ اٹھا کر لائے
اپنے ہی حجرے میں آ کر
ہم نے دیکھا
دیواروں سے باتیں کرنا
کتنا اچھا لگتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نظم کائنات کا دکھ ہے

نظم کے آسمان پہ آج بھی
وہی سلگتا سورج
وہی بلکتا چاند
وہی چیخوں کے ٹھٹھرتے تارے
وہی آوارہ بادل
وہی تیزابی بارش
وہی دور پہنائیوں میں
سوکھے پڑے سُکھ
اوران کا دُکھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
نظم کے دامن پہ آج بھی
وہی رات کا پھیلتا سناٹا
وہی شبنمی آنکھ کے بکھرے موتی
وہی ان دیکھی خموشیوں کی ہچکیاں
وہی ہجر کی جاگتی لوری
وہی انتظار کا پاگل دھواں
وہی دیواروں سے لپٹتے سائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نظم کے خلا میں آج بھی
وہی مرے وجود کا بکھرا پڑا ملبہ
وہی مرے احساس کا جھلستا ساون
وہی مرے شوق کا گزرتا فصلِ گُل
وہی مری انا کا زرد ہوتا ہوا پت جھڑ
وہی مرے شعور کا منجمد جہلم
وہی مری امید کا مبہم عکس
وہی مری ذات کا ٹوٹتا سیارہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
نظم آج بھی وہی نظم ہے
وہی رنگ وہی آہنگ لئے
وہی صدائیں وہی خاموشیاں
وہی جہلم کے کنارے پہ تھکی تھکی نگاہ
وہی کوئی تیرتی کشتی
وہی کوئی پانی پہ خیمہ زن دھند...
وہی دکھ کا نہ تھمنے والا میلہ
نظم کائنات کا دکھ ہے
صرف عنوان بدلتی رہتی ہے

سُن چنچل لڑکی

سُن نٹ کھٹ لڑکی
جب بھی تم برسات میں
گھر سے سات رنگوں کا
دوپٹہ اوڑھ کے نکلتی ہو
بادل ٹوٹ کے اڑتے ہیں
اوٹ سے کرنیں پھوٹتی ہیں
میرے محبت کے ساگر پہ
قوس قزح اک جھکتی ہے
پیاس بجھانے اترتی ہے
میری یخ بستہ آنکھوں کو
دھوپ سہانی لگتی ہے
پریوں کی کہانی لگتی ہے

شوخ جوانی کی دھڑکن پہ
سانسوں کا میلہ لگتا ہے
مستی کا موسم کھلتا ہے
سُن الہڑ لڑکی ۔۔۔
جب بھی تم اس ساون میں
گھر سے نکلتی ہو
بارش آنے لگتی ہے
رم جھم گانے لگتی ہے
رُت الجھانے لگتی ہے
میں گیلی دھوپ پہنتا ہوں
تیرے رنگ چُراتا ہوں
اپنی عریاں نظم کی خاطر
رنگوں کی چادر بُنتا ہوں
اے پردہ نشین بے پردہ دھنک
سُن ۔۔ پاگل لڑکی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!

دُکھ کائنات کی ڈور ہے

انتظار کا سورج غروب نہیں ہوتا ہے
وقت کی بھوک کھا لیتی ہے
اس کی دھوپ
شفق کے الاو پہ بھون کے
ہجر کی رات کب ڈھلتی ہے
تارے۔جگنو۔ چراغ
سبھی تھکن کی چادر اوڑھ کے سو جاتے ہیں
روشنی کے گمان آباد میں
سب کی شریانوں میں زرد لوئیں دوڑتی رہتی ہیں

شفق کی آخری رخصتی تک

میں اور چاند

دیر تک باتیں کرتے رہتے ہیں

کچھ اپنے بارے میں کچھ تمہارے بارے میں

دُکھ کائنات کی ڈور ہے

ہجر اور وصل کے دھاگوں سے بُنی

میں دردستان کا حلاج ہوں

چاند سولی پہ آ کر

مجھے سناتا ہے

زندگی کا آخری گیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

نظم کائنات کی سانس ہے

نظم ہوا کی مانند ہے
کائنات کی کوکھ سے جنم لیتی ہے
کائنات کی دھڑکن پہ دھڑکتی ہے
کہیں بانجھ بن کے وقت کو چھو کر نکلتی ہے
کہیں خود سے ٹکرا کے حاملہ ہو جاتی ہے
سکھ کے دکھ سے بھاری بھرکم ہو جاتی ہے
اگلی نسل کی خاطر۔۔۔۔۔۔۔
نظم بادل بن کے اڑتی پھرتی ہے
وقت کے نیلے کاغذ پہ
اپنے اشک کی بوندوں سے

کائنات کا دکھ سکھ لکھتی ہے۔۔۔۔۔
نظم بارش بن کے برستی ہے
کائنات کے سوکھے بدن پہ
کھیت کھلیانوں پہ
دور تک بکھری ریت پہ
گہرے نیلے سمندر کی سطح پر
ہوا خوشبوؤں کا وصل ہے
رنگوں کا ہجر ہے
موسموں کا تغیر ہے
نظم ہوا کی مانند ہے
نظم کائنات کی سانس ہے
مجھے سانس لینے دو
نظم لکھنے دو۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!!

"گمان آباد کی برف"

گماں کی ہوائیں ٹکرا رہی ہیں
وصل کے برف پوش کوہ کے ساتھ
صدیوں کی یخ بستگی پہ
دھوپ کی کچھ چنچل کرنیں کھیلنے اترتی ہیں
ماورائے ہست و بود بچوں کی طرح
کسی پتھر کی کوکھ سے پھوٹتی ہیں بوندیں
چشمے ابل پڑتے ہیں
مسرتوں کے یا دُکھوں کے
کچھ ہنستے ہیں کچھ روتے ہیں
کچھ جذب ہوتے ہیں سوکھے پیاسے ریگستان میں
ہماری آنکھوں کے
کچھ پی لیتی ہے برسوں سے پڑی بدن کی پیاس
ہم دونوں ایک ہی راہ پہ کھڑے ہیں

آمنے سامنے
دو قدم ایک دوسرے سے دور
صدیوں کا سفر لئے
جسے طے کرنے میں ابھی شاید صدیاں لگیں
کوہ سے پھوٹی کچھ بوندیں گر کے ٹوٹ گئی ہیں
جذب ہوئیں
وصل کے گمان آباد میں
کچھ امر ہو گئیں
ہجر کے سمندر میں
چاند اٹھالے گا خاموش راتوں میں
نیل گگن کی پہنائیوں میں ری سائکل ہونگی
نئی برف پڑے گی
مرے وصل کے گماں آباد کے کوہ پر
ہجر کی بستیاں پھر سے آباد ہوں گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

عریانی میں چھپی نظم

دور کسی لامحدودیت کے جنگل میں
جب کوئی ابدیت کا پھول کھلتا ہے
مجھے خوشبو گھیر لیتی ہے
تو میری روح میں اتر جاتی ہو
پناہ ڈھونڈنے
عریاں نظم کی طرح
میں تجھے لفظوں کا پیراہن پہنانے لگتا ہوں
احساس کے رنگوں میں رنگ لیتا ہوں
چوڑیوں کی کھنک دیتا ہوں
تم معانی کا دوپٹہ اوڑھ لیتی ہو

ابدیت میں میلہ لگتا ہے
پازیب کی چھنک رقص کرتی ہے
بہار کے نرم جھونکے تجھے گنگناتے ہیں
دھوپ کی لے پہ
بارش کے ساز پہ
میں تجھے اپنے آپ میں چھپا لیتا ہوں
خواب کی وادی میں پناہ دیتا ہوں
تم مرے لفظوں کے جنگل کی پری ہو
تم نظم ہو
مری عریاں نظم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!

دعاؤں کی نظم

آج بھی شام ڈھلتے ہی میری تنہائی
یادوں کی خاموشی اوڑھ کے بیٹھتی ہے
آتے جاتے لوگوں کی چاپ سننے
چینی چوک کی تنگ گلیوں سے گزر کر
پہاڑی کے دامن میں ستانے لگتی ہے
چینی چوک کی چھتیں ایک دوسرے کی طرف جھکی ہوئی
جیسے سہیلیاں گزری رات کی سرگوشیاں سناتی ہیں
لکڑی کے چھتوں پہ آدم کی پہلی کھنکتی مٹی
مٹی میں کھلے رنگ برنگ پھولوں کی خوشبو
خوشبو سے سرشار تتلیاں

یہ سارا منظر تمہاری زلفوں میں آ کے سمٹ جاتا ہے
یہیں سے مجھے جینے کا اذن ملتا ہے
نئے جنم کے ساتھ
زندگی سفر پکڑ لیتی ہے
مہندی کدل سے چینی چوک تک کا.......
زیارت گاہ کی چھاؤں میں
سبز رنگ سے چھنتی نیم گرم دھوپ
کے سہارے
پھر اسی دعا کے لئے ہاتھ اٹھتا ہے
کہ میں تمہیں اپنی نظم میں قید کر سکوں
تم آمین کہو
نظم خوشبو بن کے بکھر جائے گی
محبت امر ہو جائے گی
تم میری دعاؤں کی نظم ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

وقت خاموش مسافر ہے

وقت خاموش مسافر ہے
بولتا نہیں ہے سنتا بھی نہیں
کوئی آہٹ نہیں اسکے قدموں میں
کوئی سرگوشی نہیں اترتی اس کے کانوں سے
وقت کے چہرے پہ کائنات کی جنتری ہے
ابجد کے تہہ خانے ہیں
تقویم کی گونگی ٹک ٹک ہے
ہم نے جو ہچکیوں کی خامشی لٹکائی ہے
بینائی کی دیوار کی سولی پہ
یہ ہماری شکست وریخت ہے

گمشدہ فریب کی بازیافتہ چیخ ہے
کسی آنکھ سے گرے آنسو کی صدا ہے
یا کسی ہنسی پہ مزاق کی تھپڑ کی گونج
کہاں سے آئے کہاں چلا جائے
وقت کو خود بھی نہیں معلوم
احساس کے پُل سے گزرتا ہوا
ان دیکھا، ان سُنا
ہوا کا جھونکا
وقت خاموش مسافر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

میں نے پرندے کو دیکھا

میں نے پرندے کو دیکھا
گیتوں کے پنکھ لگائے
بہار کی پہلی دستک پہ
چہکتے ہوئے۔۔۔۔۔۔!

میں نے پرندے کو دیکھا
تپتے آنگن کی دھول ڈھوتے ہوئے
پیاس سے مضمحل
ہرے پتوں کی اوٹ میں
رقص کرتے ہوئے
برسات کی بوندوں پہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

میں نے پرندے کو دیکھا
خزاں کے آخری پتے کی

لڑکتی سرسراہٹ پہ
بین کرتے ہوئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

میں نے پرندے کو دیکھا
جاڑے کی برف پوش ٹہنی پہ
یخ بستہ ہوتے ہوئے۔۔۔۔۔۔۔۔!

میں نے پرندے کو دیکھا
خواب کی آخری سیڑھی پہ
اندھیروں کے خلا میں
نئی روشنی کے گیت گاتے ہوئے۔۔۔۔۔۔۔۔!

میں نے پرندے کو دیکھا
آنکھ کے ٹوٹتے آئینے میں
کانچ کی طرح بکھرتے ہوئے
اپنے عکس کو روندتے ہوئے
میں نے پرندے کو دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!!!

آدھے موسم کی بارش

دو اجنبی گم سُم سائے
اجنبیت کے دوسرے
رُکے قدموں کے ساتھ الجھائے
بدن دراز سڑک کوتا نک رہے تھے
کسی منزل کے دو پڑاؤ سمیٹے
پچھلی برسات میں بھیگی یہ سڑک
بدن سکھا رہی تھی، عریاں دھوپ میں
دوایک چاک پیرہن
موسم کا بوجھ ڈھو رہے تھے
آتے جاتے۔۔۔۔۔۔کسی بے نشان جزیرے کا۔۔
بادل کا اک ٹکڑا ٹہلنے نکلا
دھوپ میں پڑی سڑک کے آدھے بدن پہ پھیل گیا

بوند بوند برس پڑا
جیسے کوئی پائل رم جھم لئے بجنے لگی
پائل ٹوٹ گئی۔۔
نیم برہنہ بدن کو چھو کر بکھر گئی۔۔
نیم عریاں سڑک کو بھگو دیا
اجنبیت کی آدھی آنکھیں بھیگ گئیں
آدھی دھوپ سینکتی رہیں
دور سے ہانپتی بس کی چیخ سنائی دی
شور سے کھچا کھچا بھری
اجنبیت کے دونوں سرے چل پڑے
اپنا اپنا آدھا سایہ لئے
بیچ کا برہنہ معدوم بندھن توڑ کے
بس کی بھیڑ میں کھو گئے
ایک نیم عریاں شور میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

دکھ کے دائرے

عجیب شام تھی
ڈھلنے لگی تو
میں نے خود کو سنتے دیکھا
سرگوشیوں کی بستی میں۔۔۔

چل۔۔دریا کنارے
یادوں کے دو بوسیدہ پل بہا کر آئیں

آہوں کی ہتھیلی پہ لئے
اپنی پلکوں کا بوجھ کچھ تو ہلکا کرلیں

اس رات میرے کمرے میں عجیب منظر اترے
بستی کے سارے دریا
میرے سرہانے آ کر
ساری رات روتے رہے۔
اپنا بوجھ ہلکا کرتے رہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

دشتِ امکان کے موسم

دشت امکان میں کوئی موسم نہیں ہوتا ہے
کہیں پہ گماں کی سہانی دھوپ
انگڑائی لیتی رہتی ہے
کہیں حقیقت کی تند تیز بارش۔۔۔۔۔
ہمارے ماتھے پہ جو اوس اُگتی ہے
امیدوں کی۔۔

اسے چاٹ لیتی ہے کہرے کی تھکن
تب جا کے سو جاتا ہے مرادشت زاد
خاک اوڑھ کے۔۔۔۔۔
تم بہت خوبصورت ہو۔۔۔۔۔
پہلے موسم کی چنچل خوشبو نے مجھے بتایا تھا
جس نے تمہارے الہڑ شگوفے کھلائے تھے
چھو کر تم پہ کلیوں کی چٹک واردی تھی
میں وادیِ خرد سے نکل کر
صحرائے دل میں آچکا تھا
کسی پھول زادی کے تعاقب میں
بھونرا بن کے
سانسوں کی بھینٹ چڑھنے
کہ ہجر کی برسات نے کروٹ بدلی۔۔
وصل کا خانۂ طلسم زیرآب آیا
دشتِ امکان کے
موسم سرکتے رہے
وقت کی پگڈنڈی سے

دھند میں خوشبو کی کہانی کھوگئی
تیرے ہونٹوں تک مرا لمس نہ پہنچ پایا
جنوں کی لامحدودیت میں
سانسوں کی آہٹیں
خاک اڑائے رقص کرتی ہیں
ہجر کی پائل باندھ کے
دشت امکاں میں کوئی موسم نہیں ہوتا ہے۔۔

❁❁❁

پنگھٹ پہ سوئی نظم ۔۔۔

آخری بار دیکھا تھا اسے
پنگھٹ پہ
چھوٹی ندی کے
مٹی کا گھڑا لئے ہوئے
بار بار پانی میں گڑھا گھماتے
چھوٹی چھوٹی لہروں سے کھیلتے
ندیا کے گیت گاتے ہوئے
پھر دفعتا" اک گہرا سکوت سا اوڑھ لیا
ندی کی سطح پہ آنکھیں بچھائے
جیسے تیرنا چاہا
دور بہت دور تک
سانسوں کے آخری کنارے تک
یا سکوت کی آخری گہرائی تک

نومبر کے سورج کی شعائیں
سطح آب پہ تکان اتارنے آ بیٹھیں
چھوٹی چھوٹی لہروں کو
نہ جانے کب کونسا ریلا بہا کے لے گیا
کئی صدیاں بیت گئیں
مجھے یاد آ گیا
اسی ندی کے اسی پنگھٹ پہ آ کے بیٹھ گیا
بھیگی پلکوں سے کچھ لفظ اتارے
چھوٹی چھوٹی لہروں پہ رکھ دئے
نومبر کی ڈھلتی دھوپ میں
ایک نظم لکھی
بالکل تمہاری جیسی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

بس اسٹاپ پہ ٹھہری نظم

میں نے اسے پہلی بار دیکھا
بس اسٹاپ پر
کھوئی کھوئی
کاجل کی پھیلتی سرگوشیاں
پلکوں کی جھپک سے گلے مل کے
اک سکوت کا پیکر تراش رہی تھیں
شور کی ساری سماعتیں
اس کے اردگرد خاموش بیٹھی تھیں
نہ جانے کس خوابوں کی دنیا میں
عریاں چاند تک رہی تھی
ایک کاپی اور دو کتابیں سینے سے لگائے

ایک بال پین انگلیوں میں گھماتے ہوئے
سنہرے رنگ کی چپل پہنے ہوئے
داہنے پیر سے زمین پہ دائرے کھینچتے ہوئے
ہونٹوں پہ ہلکی مسکراہٹ لئے۔۔۔۔
اس روز رات کو کھانے کی میز پہ
مجھے کچھ نہیں سوجھا
سوائے ایک نثری نظم کے
جو بالکل تم جیسی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

باتوں میں گم صم کائنات

کائنات باتوں سے بھری پڑی ہے
کچھ باتیں شور کی تحویل میں ہیں
کچھ سرگوشیوں سے بغلگیر
تو کچھ سکوت کی آغوش میں
باتیں اکیلی بھی ہوتی ہیں
انجمن کی ہنگامہ آرائی بھی
باتوں کے اپنے موسم ہوتے ہیں
کچھ کھلنے کے کچھ ملنے کے
کچھ بچھڑنے کے
دھوپ، بارش، بادل، ہوا
ندی، سمندر، کوہسار، سبزہ زار، ریگزار
پھول، پرندے، پتے، شجر

سورج، چاند، تارے
غم، خوشی
سب اکیلے میں خود سے باتیں کرتے ہیں
یا ہم دونوں سے۔۔۔۔
جب کوئی نہیں بولتا ہے
تب ہم دونوں باتیں کرتے ہیں
اکیلے میں۔۔۔دیواروں سے۔۔آئینوں سے
یا ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے۔۔۔۔۔
آؤ کئی دن ہوئے
مل کے ڈھیر ساری باتیں کریں
صدیوں کی بکھرتی محبت کی
عمروں کی ٹھٹھرتی جدائی کی
زندگی کی گمشدہ کہانیوں کی۔۔۔۔۔!!!!

❁❁❁

خوابوں کا موسم

خوابوں کا اپنا موسم ہوتا ہے
جب نیند کے جنگل میں کوئل کوکو کرتی ہے
مرے خواب کی آنکھ کھلتی ہے
پرانے گھر کے آنگن میں
یا کھڑکی پہ آکے
جہاں آسمان ایک ہاتھ دور ہے
انگلیوں سے تارے توڑ کے اپنی مٹھی کی خلا بھر لیتا ہوں
یا برسات کی چھن چھن کرتی بوندیں
ہتھیلی پہ لئے

تمہارے ساتھ بھیگے لمحات کی ڈور کھینچ لیتا ہوں
پلکوں پہ موسم کھلتا ہے
تب جانے کس دھوپ کے ٹکڑے کمرے
میں آ کر
مجھ سے آنکھ مچولی کھیلتے ہیں
باہر سرسراتی ہوا کی دھن پہ
کمرے کی چھت سے ابابیل آشیاں ٹانک دیتے ہیں
کہ ساون میں جھولا جھولیں
وہی دریا وہی کنارے وہی پگڈنڈی
جس پہ ہمارے ان گنت سائے گزرتے ہوئے
کہیں نہیں پہنچتے ہیں
وہی ابھرتی صبحیں، ڈھلتی شامیں
گہری خاموش راتیں
گنگناتی رس بھری صدائیں
جنہیں سننے کو اب سوکھی سماعتیں ترستی ہیں
کتابوں میں رکھے مور پنکھ ٹٹولتے ٹٹولتے انگلیاں تھک گئی ہیں
زندگی اپنی بے سود تلاش میں

خود کھو گئی ہے
تم بھی ہو میں بھی ہوں
محبت کے پُل پہ ہم دونوں کھڑے ہیں
دریا کی روانی پہ سوار بہتے چلے جاتے ہوئے
وصل کے بہاو کے ساتھ
جانے کس ہجر زار کی اور سفر کرتے ہوئے
خواب ٹوٹ جاتے ہیں
خوابوں کا اپنا موسم ہوتا ہے

❁❁❁

گیت

ترے موسموں کی نئی ہوا
مجھے راس شاید نہ آ گئی
تری بارشوں میں ہیں بلبلے
کفِ پا میں ہیں مری آبلے
سرِ پا ہیں گھنگھروں کی دستکیں
یہاں دل میں جاگی ہیں ہچکیاں
وہاں کھل اٹھی تری ہر کلی
یہاں پھر سے پلکوں پہ ہے نمی
تجھے چاندنی ہے سُلا رہی

مجھے دھوپ آ کر جلا گئی
یہی رمز شاخِ ملال ہے
یہی ہجرتوں کی اڑان ہے
مجھے اب صدا تم کبھی نہ دے
میں شہر سے تیرے چلا گیا
کہ اداس راہوں کو ہے طلب
یہ شکستہ پائی نصیب کی ۔۔۔۔۔۔!!!

عیدی

میں بھول چکا ہوں تمہیں
برسوں پہلے
جانے کیوں یاد آئی
وہ تپسیا
جس میں تیرا وجود
اب تک پنپ رہا ہے
شاید تیرے جگنو
اب تک یادوں کے جنگل میں
ضوافشاں ہیں
جن کی پیاس بجھانے
آج پھر آنکھوں سے
آنسو کے دو قطرے ٹپکے
تم انہیں عیدی سمجھ کے رکھ لینا۔۔۔۔۔۔!!!

انتظار کے پیڑ کے نیچے

بہت سنبھال کے رکھے تھے
تمہارے خط
یادوں کے اوپری شیلف پر
پھونک پھونک کے جلا ڈالے
ہجر کی برفیلی راتوں میں
لمس لمس کے چولھے پر
پلکوں کے منڈیروں پہ دھوئیں کے پرندے
اب تک آنسو پونچھ رہے ہیں
راکھ باہر پڑی ہے
برف کی میلی چادر پہ۔۔۔۔۔
اگلے موسم میں دھوپ لے کر آنا
جہلم کے کنارے پہ
یادوں کا میلہ لگتا ہے

یادوں کے کئی رنگ لئے، کئی روپ لئے، کئی خیمے سجائے
دھندلکوں کی بھیڑ میں
انتظار کے پیڑ کے نیچے
درد کی چھاؤں میں
سکھ کے گاؤں میں۔۔۔۔۔!!
پرانی راکھ نچوڑیں گے
اک تصویر بنائیں گے
ہر خط کے لفظوں کی
ہر لفظ کے سینے پر
اک شیلف جلائیں گے
یادوں کا چراغاں کر لیں
مل جل کے منائیں گے
دکھ کے ان گنت رنگوں کا میلہ
سکھ کے گاؤں میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

موسم کی رہائی

اک سوکھا پھول پڑا ہے
شیلف پہ رکھی اس کتاب میں
جس کے سرہانے سُلائی جاتی ہے
ہر رات مری نیند
خاردار خواب دیکھنے کے لئے۔۔۔۔۔۔!
جس دن سورج کی شعائیں
کتاب پہ جمی دھول جھاڑ دیں گی
مرے خواب خارزدہ بستر سے آزاد ہو جائیں گے
موت سے بند کھڑکی کھل جائے گی
خوشبو کے پنکھ پرواز کریں گے
ابر کی قاشوں سے پیوند زدہ
نیلگوں کی طرف۔۔۔۔

دھوپ کے جزیرے پہ اترے گا
کہانی کا شہزادہ
نہانے کے لئے
شعاؤں کے شاور کے نیچے
عریاں لفظوں کا برفاب بدن لے کر۔۔۔۔۔۔۔
شیلف پہ رنگوں کی تتلیاں ابھر آئیں گی
شہزادی کی گود بھر جائے گی۔۔
سیاہ قبیلے کے جگنو
کھڑکی کے پاس آ کر
چاندنی کا خیمہ گاڑ دیں گے
ہجر کے زندان سے
محبت کا موسم رہائی پائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

❁❁❁

زرد پتوں پہ بکھری نظم

موسم ٹہلتے ٹہلتے آ پہنچا ہے
پھر اسی چنار کی چھاؤں تک
جہاں کبھی سبز تتلیاں
پریوں کی سرخ کہانیاں بنتی تھیں
نرم ہواؤں کی ہتھیلی پر۔۔۔۔۔!
جھرنے سے پوچھا تو رونے لگا
سوکھے پتوں کی سرسراہٹ کی میت
دیکھی نہیں گئی مجھ سے
نہلا کر دفنا دیا اپنی کوکھ میں
عکس کے کفن میں لپیٹ کر۔۔۔۔۔۔۔!
جھرنا روتا رہا کہتے کہتے
کتنے بے رحم ہیں پت جھڑ کے پنجے
دب جاتی ہیں رنگوں کی اٹھکیلیاں چھپ جاتی ہیں زرد تنکوں میں

سرگوشیاں
تھک جاتی ہیں نقرئی شعائیں
کٹ جاتی ہیں پتوں کی شریانیں
چھِن جاتی ہیں سبز ردائیں
اتر جاتا ہے چناروں کا بانکپن
زرد پرچم ابھر آتے ہیں
صاحب آباد کی آنکھوں میں
ماتم کا میلہ لگتا ہے۔۔۔۔۔!
موسم پھر ٹہلنے نکلے گا
اگلے رنگوں کی بستی کی اور۔۔۔
رکنا پڑے گا ہمیں نظریں باندھ کر
سمیٹنی ہے پھر سے ہمیں
دستِ حنا کیلئے
زرد پتوں پہ بکھری نظم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!

تم ندی ہو

تم ندی ہو
برف پوش پہاڑوں سے اترتی
الہڑ، ہنستی کھیلتی
بل کھاتی گزرتی ہو
مرے وجود کے ریگستان کے بیچ سے
سہلاتی ہو
مرے تپتے کناروں کو
چوس لیتے ہیں تری نمی
مرے تن کے سوکھے پیاسے زرے
میری تھکن، میرا تھکا پڑا سفر ڈھوتی رہتی ہو۔۔۔۔۔۔شام
تلک۔۔۔۔۔۔!!
شام ڈھلے جب تم گنگناتی ہو
تری موجوں کے تار چھیڑتے ہیں

نرم ہوا کے صحرائی جھونکے
میں آنکھیں موند لیتا ہوں
سو جاتا ہوں آسماں کی نیلی چادر تلے
چاند کے خیمے میں
چاندنی کے بستر پہ
چھیڑتا ہوں خوابوں کے خانہ بدوش
گھوڑوں کی گھنٹیاں
خواب کی پلکوں پہ
تری روانی سے بُنتا ہوں
تری ہمشکل اک رواں دواں نظم۔۔۔۔۔!
تم ندی ہو
مرے برف پوش پہاڑوں سے اترتی ہوئی
مرے ریگزار بدن پہ
نظم بن کے گزرتی رہو۔۔۔۔۔!!!!

۞۞۞

چلو۔۔۔

چلو ہم پتھروں کے بیچ سو جائیں
کہ پھولوں نے رُلایا ہے
کہ کانٹوں نے ستایا ہے
کہ خوشبو نے اڑایا ہے
کہ موسم نے نچایا ہے
چلو ہم راستوں پہ خاک ہو جائیں
کہ صبحیں یوں گھماتی ہیں
کہ شامیں یوں تھکاتی ہیں
کہ راتیں یوں جگاتی ہیں
چلو ہم درد کے صحرا میں کھو جائیں
کہ اپنوں نے بھلایا ہے

کہ یادوں نے مٹایا ہے
کہ زخموں نے سُلایا ہے
چلو ہم خواب ٹوٹے پھر سے جوڑیں
چلو خاکوں میں پھر سے رنگ بھر لیں
ادھیڑا ہے جنوں نے جو بدن اپنا
چلو خود کو رفو کر لیں
چلو یہ اشک بھی صرفِ وضو کر لیں
کوئی سجدہ کریں
محبت کو امر کر لیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

❁❁❁

شاہراہ پر ٹھہری ہجرت

آ پاؤ گی تو آ جانا
موسم بدل رہا ہے
دن چھوٹے پڑ رہے ہیں آرزوؤں کی طرح
اور راتیں لمبی ہوتی جا رہی ہیں
آہوں کی طرح
انتظار کے آنگن میں
پھول سوکھے لبوں جیسے
پتے ٹوٹے بکھرے وعدے جیسے
اوس تھکی تھکی، آنسوؤں کی طرح
خوابِ صبح کی دھند کی صورت
مری ناکام امید۔۔۔۔
موسمی پرندے کی ہجرت

کسی نیم گرم نخلستان کی تلاش میں
لوٹ جانے کی ضد پہ اتری
اب کچھ دن اور۔۔۔۔۔۔!
چناروں میں تپش چیخنے لگے گی
پھر جاڑے کی یخ بستگی
ہماری یادوں کو منجمد کردے گے
تم آپاؤ گی تو آجانا
ماضی کے عذاب کے پنکھوں پہ
میں شاہراہ پہ بچھا کے رکھ دوں گا
ادھیڑی گئی عجلتیں
گرتے پتوں سے لٹکتی سانسیں
زندگی کی آوارگی۔۔۔۔۔۔!!!

صدیوں کی صلیب میں

میں بھول چکا ہوں تمہیں
صدیوں پہلے
بجھ گئے ہیں تمہاری یادوں کے جگنو
تپسیا کے جنگل میں
اتر گئے ہیں دیواروں سے
بدلتے موسموں کے کیلنڈر
ادھیڑ دیا ہے اپنے وجود کا پیراہنِ لمس
اتار دی ہیں تمہارے گرم احساس کی سلوٹیں
چھپا دیا ہے خود کو خستہ عریانی میں
اب تو بس ۔۔۔
نیم شب کی اداسی میں

پلکوں پہ دو بوندیں آ کر بیٹھتی ہیں
جگنوؤں کی طرح
تاریکیاں روشن کرتی ہیں
وقت کی صلیب میں
مجھے یاد دلاتی ہیں
میں تمہیں بھول چکا ہوں
صدیوں پہلے۔۔۔۔۔!!!!

غار سے پھوٹی روشنی

دھند کی فصیل سے اتر کر
سجدہ ریز ہوا
روشنی کی چادر پہ
تہہ خانے سے آوازوں کا ہجوم نکلا
ہزار ہا بتوں کے ٹوٹنے کی
ہزار ہا اندھیروں کی
ہزار ہا بادلوں کے چھٹنے کی۔۔۔۔
جگا دیا اسے
کسی غار سے پھوٹی روشنی نے
کسی خاموش مہکتی صدا نے
کسی ابدیت کی سرگوشی نے

سجدے سے سر اٹھایا
تو چیخ پڑا
کتنی حسین ہے یہ کائنات
کتنا دلفریب ہے یہ منظر
خود کو ٹٹول کے چھو رہا تھا اپنا تقدس
کسی آئینے کی طرح
خود سے ہمکلام ہو رہا تھا
وہ بازیاب ہو چکا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!